AL-HAYAT Research Journal
HJRS HEC Journal Recognition System Category Y
Volume 3 Issue 4 (July-Sep 2026)
ISSN (Online): 3006-4767
ISSN (Print):: 3006-4759

حدیثِ تقریری اور تقریر بالتبسم: تحقیقی مطالعہ

Ḥadīth al-Taqrīr and Approval through the Prophet's Smile (al-Taqrīr bi al-Tabassum): A Research Study

Muhammad Dawood
PhD Scholar, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore
dawoods444@gmail.com
Dr. Usman Ahmad
Assistant Professor, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore

Abstract

The Sunnah of the Prophet ﷺ comprises his sayings, his actions and his tacit approvals (taqrīr). Taqrīr denotes the Prophet's approval of a statement or an act of a Companion that took place in his presence or came to his knowledge without his disapproving of it. Among its forms, approval through silence (al-taqrīr bi al-sukūt) has received the greatest attention in Islamic legal theory, whereas approval expressed through the Prophet's smile or laughter (al-taqrīr bi al-tabassum) has seldom been studied as an independent category. This article first examines the root q-r-r in the classical Arabic lexicons and in the Qur'ān, and shows that its core meanings of stability, settlement and tranquillity underlie the technical notion of taqrīr. It then defines al-taqrīr bi al-tabassum, distinguishes it from approval through silence, and sets out five criteria by which a smile carrying legal significance may be identified: the Prophet's knowledge of the act, the connection of the smile to that act, the absence of any subsequent disapproval or correction, contextual indicators of approval, and the relevance of the act to a legal ruling. In the light of these criteria, seven narrations from the Hadith literature are analysed together with the views of the commentators and jurists. The study concludes that a Prophetic smile accompanied by these indicators is a clearer sign of approval than silence alone, although the rulings derived from it may still remain subject to juristic disagreement.

Keywords: *Ḥadīth al-Taqrīr, tacit approval, Prophet's smile, al-taqrīr bi al-tabassum, Sunnah*

تمہید

سنتِ نبویہ ﷺ قرآنِ مجید کے بعد شریعتِ اسلامیہ کا دوسرا بنیادی مصدر ہے۔ محدثین اور اصولیین نے سنت کو تین بڑی اقسام میں تقسیم کیا ہے: سنتِ قولیہ، سنتِ فعلیہ اور سنتِ تقریریہ۔ ان میں سنتِ تقریریہ سے مراد وہ اقوال و افعال ہیں جو صحابۂ کرامؓ سے نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں صادر ہوئے، یا آپ ﷺ کے علم میں آئے، اور آپ ﷺ نے ان پر نکیر نہیں فرمائی۔ چونکہ منصبِ رسالت کا تقاضا یہ ہے کہ کسی غلط بات پر خاموشی اختیار نہ کی جائے، اس لیے آپ ﷺ کا کسی امر پر انکار نہ فرمانا اس کے جواز اور مشروعیت کی دلیل قرار پاتا ہے۔

سنتِ تقریریہ کا اظہار ہمیشہ ایک ہی صورت میں نہیں ہوا۔ کبھی آپ ﷺ نے محض سکوت اختیار فرمایا، کبھی صراحتاً تحسین فرمائی، اور کبھی کسی قول یا فعل پر تبسم یا ضحک کے ذریعے اپنی رضا کا اظہار فرمایا۔ اصول کی کتب میں عموماً "التقریر بالسکوت" کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے، جبکہ "التقریر بالتبسم" یعنی تبسم کے ذریعے تقریر کو

CC BY

بالعموم ضمنی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ ذخیرۂ حدیث میں ایسی متعدد روایات موجود ہیں جن میں "فَتَبَسَّمَ"، "فَضَحِكَ" اور "حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ" جیسے الفاظ کسی صحابی کے قول، فعل یا اجتہاد کے فوراً بعد وارد ہوئے ہیں، اور فقہاء نے ان سے شرعی احکام کا استنباط کیا ہے۔

زیرِ نظر مقالہ اسی پہلو کے مطالعے کے لیے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس میں پہلے کلمہ "تقریر" کے لغوی اور قرآنی پس منظر کا جائزہ لیا گیا ہے، پھر "التقرير بالتبسم" کا مفہوم، "التقرير بالسكوت" سے اس کا فرق اور اس کی شناخت کے اصول بیان کیے گئے ہیں، اور آخر میں ان اصولوں کی روشنی میں ذخیرۂ حدیث سے سات منتخب روایات کا تحقیقی و استدلالی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

موضوع کی اہمیت اور مقاصدِ تحقیق

اس تحقیق کی اہمیت اس بات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے تبسم کو بعض اوقات محض ایک طبعی اور بشری کیفیت سمجھ لیا جاتا ہے، حالانکہ بہت سے مواقع پر یہ تبسم شرعی دلالت کا حامل ہوتا ہے اور اس سے احکام مستنبط کیے گئے ہیں۔ اس تحقیق کے بنیادی مقاصد درج ذیل ہیں:

- کلمہ "تقریر" کے لغوی مفاہیم اور قرآنی استعمالات کی روشنی میں سنتِ تقریریہ کی لسانی بنیاد واضح کرنا۔
- "التقرير بالتبسم" کا مفہوم متعین کرنا اور "التقرير بالسكوت" سے اس کا فرق واضح کرنا۔
- وہ اصول و ضوابط مرتب کرنا جن کی موجودگی میں نبی کریم ﷺ کا تبسم تقریری دلالت کا حامل قرار پاتا ہے۔
- ذخیرۂ حدیث سے التقرير بالتبسم کی نمایاں مثالیں جمع کر کے شارحینِ حدیث اور فقہاء کی آراء کی روشنی میں ان کا تجزیہ کرنا۔

سابقہ تحقیقی کام

سنتِ تقریریہ کی بحث اصولِ فقہ کی امہات الکتب میں سنت کے مباحث کے تحت ملتی ہے، مثلاً امام زرکشیؒ کی "البحر المحيط في أصول الفقه" اور امام شوکانیؒ کی "إرشاد الفحول" میں "التقرير" کے عنوان سے اس کی شرائط اور دلالت پر گفتگو کی گئی ہے۔[1] تاہم ان مباحث کا بڑا حصہ سکوت اور عدمِ انکار سے متعلق ہے، اور تبسم یا ضحک کے ذریعے تقریر کو مستقل عنوان کے تحت کم ہی زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے ترک اور ان کی دلالت پر بھی عربی زبان میں علمی کام ہوا ہے۔[2] راقم الحروف کا ایک مقالہ "نہی میں حدیثِ تقریری سے استدلال: مباحث و امثلہ" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے، جس میں صحابہؓ کے ترکِ عمل پر نبی کریم ﷺ کے سکوت سے نہی کے مختلف درجات پر استدلال کا جائزہ لیا گیا ہے۔[3] محقق کے علم کی حد تک اردو زبان میں "التقرير بالتبسم" کو بطورِ مستقل موضوع، اس کی شناخت کے اصولوں اور احادیث کی روشنی میں منظم انداز سے پیش کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، اور یہی خلا اس مقالے کا موضوع ہے۔

---

[1] الزركشي، بدر الدين محمد بن عبد الله، البحر المحيط في أصول الفقه، (الكويت: دار الكتبي، 1414ھ/1994م)، مباحث السنة، فصل: التقرير؛ الشوكاني، محمد بن علي، إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول، تحقيق: أحمد عزو عناية، (دمشق: دار الكتاب العربي، 1419ھ/1999م)، المقصد الثاني: في السنة، الفصل الرابع: في التقرير.

[2] الهمامي، مبارك بن سالم بن علي خميس، ترك النبي ﷺ ودلالتها على الأحكام: دراسة أصولية تطبيقية على أبواب العبادات، رسالة ماجستير، (مكة المكرمة: جامعة أم القرى، كلية الشريعة والدراسات الإسلامية، 1430-1431ھ).

[3] محمد داؤد، عثمان احمد، "نہی میں حدیثِ تقریری سے استدلال: مباحث و امثلہ"، صریرِ خامہ، جلد 5، شمارہ 1 (جنوری-مارچ 2026ء)، ص: 325-343۔

CC BY

منہجِ تحقیق

اس مقالے میں بیانیہ، استقرائی اور تحلیلی منہج اختیار کیا گیا ہے۔ لغوی مباحث کے لیے عربی زبان کی معتبر معاجم سے رجوع کیا گیا ہے۔ احادیث کو ان کے اصل مصادر سے کتاب، باب اور رقم الحدیث کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ہر روایت کا اردو ترجمہ دیا گیا ہے، اور پھر شروحِ حدیث اور کتبِ فقہ کی روشنی میں اس کے استدلالی اور تقریری پہلو کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ جہاں کسی روایت کی سند میں کلام ہے وہاں اس کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے۔

بحثِ اول: کلمہ "تقریر" کا لغوی و لسانی تناظر

السنة التقريرية لغةً

احادیثِ نبویہ کی اقسام میں سے سنتِ تقریریہ کو خاص اہمیت حاصل ہے، کیونکہ یہ ان افعال یا اقوال پر مشتمل ہوتی ہے جن پر رسول اللہ ﷺ نے اظہارِ رضا کے لیے خاموشی یا کوئی اور مثبت ردِ عمل اختیار فرمایا۔ سنتِ تقریریہ کا مفہوم سمجھنے کے لیے سب سے پہلے اس کے لغوی پہلو کو جاننا ضروری ہے، کیونکہ لغت ہی وہ بنیاد فراہم کرتی ہے جس پر اصطلاحی مفہوم کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے۔ علمائے اصولِ حدیث و اصولِ فقہ کے نزدیک کسی اصطلاح کی صحیح تفہیم کے لیے اس کا لغوی مفہوم جاننا بنیادی شرط ہے، تاکہ اصطلاح میں استعمال ہونے والے الفاظ کی اصل روح اور مراد واضح ہو جائے۔ اسی وجہ سے "تقریر" اور "إقرار" جیسے الفاظ کی لغوی جڑوں کو سمجھنا سنتِ تقریریہ کے مفہوم کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اسی تناظر میں ذیل میں معتبر لغوی مصادر سے "تقریر" کے لغوی معانی اور ان کی وضاحت درج کی جا رہی ہے:

الجوہری (ت:393ھ):

وَتَقْرِيرُ الْإِنْسَانِ بِالشَّيْءِ: حَمْلُهُ عَلَى الْإِقْرَارِ بِهِ.[4]

کسی انسان سے کسی بات کی "تقریر" کا مطلب ہے: اسے اس بات کے اقرار پر آمادہ کرنا۔

جوہریؒ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ "تقریر" اور "إقرار" ایک ہی مادے سے ہیں، اور "تقریر" میں کسی بات کو تسلیم کروانے اور اسے ثابت کر دینے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

ابن فارس (ت:395ھ):

قَرَّ: الْقَافُ وَالرَّاءُ أَصْلَانِ صَحِيحَانِ، يَدُلُّ أَحَدُهُمَا عَلَى بَرْدٍ، وَالْآخَرُ عَلَى تَمَكُّنٍ.[5]

"قَرَّ" میں قاف اور راء کی دو صحیح اصلیں ہیں: ایک ٹھنڈک پر دلالت کرتی ہے اور دوسری کسی چیز کے جم جانے اور متمکن ہو جانے پر۔

ابن فارسؒ کی تصریح کے مطابق مادہ "ق ر ر" کی دوسری اصل "تمکّن" یعنی کسی چیز کا اپنی جگہ ٹھہر جانا اور جم جانا ہے۔ "تقریر" اسی اصل سے ماخوذ ہے، اس لیے کسی فعل یا قول کو اس کی حالت پر جاری رہنے دینا گویا اسے ثابت اور متمکن کر دینا ہے، اور یہی مفہوم سنتِ تقریری کی لغوی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ پہلی اصل (ٹھنڈک) سے "قُرَّةُ الْعَيْنِ" کا مفہوم نکلتا ہے، جو دلی سکون اور مسرت کے لیے بولا جاتا ہے اور جس کا ذکر آگے قرآنی استعمالات میں آئے گا۔

---

[4] الجوهري، إسماعيل بن حماد، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، تحقيق: أحمد عبد الغفور عطار، ط4، (بيروت: دار العلم للملايين، 1407ھ/1987م)، مادة: قرر.

[5] ابن فارس، أحمد بن فارس، معجم مقاييس اللغة، تحقيق: عبد السلام محمد هارون، (بيروت: دار الفكر، 1399ھ/1979م)، مادة: قر، 5/ 7.

OPEN ACCESS

الزمخشری(ت:538ھ):

وَأَقَرَّ عَلَى نَفْسِهِ بِالذَّنْبِ، وَقَرَّرْتُهُ بِهِ ... وَقَرَّرْتُ عِنْدَهُ الْخَبَرَ فَتَقَرَّرَ عِنْدَهُ.[6]

اس نے اپنے خلاف گناہ کا اقرار کیا، اور میں نے اس سے اس کا اقرار کروایا... اور میں نے اس کے سامنے خبر کو پختہ کیا تو وہ اس کے نزدیک پختہ (ثابت) ہو گئی۔

زمخشریؒ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ "تقریر" میں کسی بات کو مخاطب کے نزدیک ثابت اور پختہ کر دینے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہی پہلو سنتِ تقریریہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تقریر سے کسی عمل کا حکم امت کے نزدیک ثابت اور مستحکم ہو جاتا ہے۔

ابن منظور(ت:711ھ):

وَقَرَّ بِالْمَكَانِ يَقِرُّ وَيَقَرُّ ... وَالْإِقْرَارُ: الْإِذْعَانُ لِلْحَقِّ وَالِاعْتِرَافُ بِهِ. أَقَرَّ بِالْحَقِّ أَيِ اعْتَرَفَ بِهِ. وَقَدْ قَرَّرَهُ عَلَيْهِ وَقَرَّرَهُ بِالْحَقِّ غَيْرُهُ حَتَّى أَقَرَّ ... وَتَقْرِيرُ الْإِنْسَانِ بِالشَّيْءِ: جَعْلُهُ فِي قَرَارِهِ؛ وَقَرَّرْتُ عِنْدَهُ الْخَبَرَ حَتَّى اسْتَقَرَّ.[7]

"قَرَّ بالمكان" یعنی وہ اس جگہ ٹھہر گیا... "إقرار" کا مطلب ہے حق کے آگے جھک جانا اور اس کا اعتراف کرنا؛ "أقرّ بالحق" یعنی اس نے حق کا اعتراف کیا۔ اور کسی دوسرے نے اسے اس بات پر آمادہ کیا یہاں تک کہ اس نے اقرار کر لیا... اور کسی چیز کی "تقریر" کا مطلب ہے: اسے اس کے قرار (ٹھکانے) میں رکھ دینا؛ اور "میں نے اس کے سامنے خبر کو پختہ کیا یہاں تک کہ وہ (اس کے ذہن میں) قرار پکڑ گئی۔"

ابن منظورؒ کی تصریح سے واضح ہوتا ہے کہ "تقریر" کا لغوی مفہوم کسی چیز کو اس کے قرار پر رکھ دینا اور ثابت کر دینا ہے۔ اسی مناسبت سے نبی کریم ﷺ کا کسی عمل کو برقرار رکھنا گویا اسے شریعت میں اس کے مقام پر ثابت کر دینا ہے۔

الفیومی(ت:770ھ):

قَرَّ الشَّيْءُ قَرًّا مِنْ بَابِ ضَرَبَ: اسْتَقَرَّ بِالْمَكَانِ ... وَأَقْرَرْتُ الْعَامِلَ عَلَى عَمَلِهِ، وَالطَّيْرَ فِي وَكْرِهِ: تَرَكْتُهُ قَارًّا.[8]

"قَرَّ الشيء" یعنی وہ چیز اپنی جگہ ٹھہر گئی... اور "أقررتُ العامل على عمله" اور "أقررتُ الطير في وكره" کا مطلب ہے: میں نے عامل کو اس کے کام پر اور پرندے کو اس کے گھونسلے میں ٹھہرا رہنے دیا۔ فیومیؒ کی یہ مثال سنتِ تقریریہ کے مفہوم سے براہِ راست مطابقت رکھتی ہے، کیونکہ "أقررتُ العامل على عمله" کا مطلب کسی کو اس کے کام پر بغیر تبدیلی اور روک ٹوک کے باقی رہنے دینا ہے۔ یہی کیفیت نبی کریم ﷺ کی تقریر میں ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کسی صحابی کو اس کے قول یا عمل پر برقرار رکھتے ہیں اور اسے تبدیل یا منع نہیں فرماتے۔

سنتِ تقریریہ کی جامع لغوی تعریف

مذکورہ بالا معتبر لغوی مصادر (جوہری، ابن فارس، زمخشری، ابن منظور اور فیومی) کے خلاصے اور تحقیقی استنباطات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سنتِ تقریریہ کی لغوی تعریف ان الفاظ میں کی جا سکتی ہے:

---

[6] الزمخشري، محمود بن عمرو، أساس البلاغة، تحقيق: محمد باسل عيون السود، (بيروت: دار الكتب العلمية، 1419ھ/1998م)، مادة: قرر.

[7] ابن منظور، محمد بن مكرم بن علي، لسان العرب، ط3، (بيروت: دار صادر، 1414ھ)، فصل القاف من حرف الراء، مادة: قرر.

[8] الفيومي، أحمد بن محمد، المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، (بيروت: المكتبة العلمية، د.ت)، مادة: قرر.

السُّنَّةُ التَّقْرِيرِيَّةُ فِي اللُّغَةِ تُطْلَقُ عَلَى: إِثْبَاتِ الشَّيْءِ وَتَسْكِينِهِ، وَتَرْكِ الْإِنْكَارِ عَلَيْهِ، مَعَ دَلَالَةِ السُّكُوتِ عَلَى الرِّضَا وَالْإِقْرَارِ؛ فَ"التَّقْرِيرُ" فِي أَصْلِهِ مَأْخُوذٌ مِنَ "الْقَرَارِ"، وَهُوَ الثُّبُوتُ وَالِاسْتِقْرَارُ، وَمِنْ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ: "أَقْرَرْتُ الْعَامِلَ عَلَى عَمَلِهِ" أَيْ تَرَكْتُهُ قَارًّا عَلَيْهِ فَلَمْ أُغَيِّرْهُ وَلَمْ أُنْكِرْهُ، فَكَانَ ذَلِكَ دَلِيلًا عَلَى قَبُولِهِ وَإِثْبَاتِهِ.

سنتِ تقریر یہ لغۃً اس قول یا فعل پر اطلاق پاتی ہے جسے ثابت مانا جائے، رد نہ کیا جائے، اور خاموشی کے ذریعے اس پر رضا و اطمینان کا اظہار ہو۔ "تقریر" کا مادہ "قرار" ہے، جس کا مفہوم ثبوت، استقرار اور کسی شے کو باقی رہنے دینا ہے۔ چنانچہ "أقررتُ العاملَ على عمله" کا مطلب کسی کو اس کے عمل پر بغیر تبدیلی اور انکار کے باقی رہنے دینا ہے، جو لغوی طور پر اقرار، رضا اور تصدیق کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔

لغوی مفہوم اور حدیثِ تقریری کا ربط

عربی لغات میں مادہ "ق ر ر" کے بنیادی مفاہیم یہ ہیں:

◀ الثبات (ثبات و استقرار)

◀ السكينة (سکون)

◀ الطمأنينة (اطمینان)

◀ قُرّة العين (آنکھ کی ٹھنڈک، بمعنی دلی راحت و مسرت)

حدیثِ تقریری سے اس کا ربط یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کسی قول یا فعل پر سکوت فرماتے، یعنی نہ اس کی تردید کرتے اور نہ نکیر، تو امت کو یہ اطمینان حاصل ہوتا کہ وہ عمل دین میں ثابت اور معتبر ہے۔ یوں سکوتِ نبوی گویا قرار، سکون اور ثبوت کی دلیل بن جاتا ہے، جو مادہ "ق ر ر" کے لغوی معانی سے پوری مطابقت رکھتا ہے۔ اور جب سکوت کے ساتھ تبسم بھی شامل ہو جائے تو "قُرّة العين" یعنی دلی مسرت کا مفہوم بھی اس میں جمع ہو جاتا ہے، جو آگے بیان ہونے والی "التقرير بالتبسم" کی لغوی بنیاد ہے۔

قرآنِ مجید میں مادہ "ق ر ر" اور اس کے مشتقات کا استعمال

قرآنِ مجید میں مادہ "ق ر ر" مختلف صیغوں میں ثبات، ٹھہراؤ اور دلی اطمینان کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً﴾[9]

"اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو جائے قرار بنایا اور آسمان کو چھت۔" یہاں "قراراً" مادہ "ق ر ر" سے مصدر ہے، جس کا مطلب ثبات، اطمینان اور سکون ہے۔

سورۃ الانعام میں ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ﴾[10]

---

[9] سورۃ غافر (المؤمن): 64-

[10] سورۃ الانعام: 98-

CC BY

"اور وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر (تمہارے لیے) ایک ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک امانت رکھے جانے کی جگہ۔"

سورۃ القصص میں یہی مادہ اس طرح استعمال ہوا ہے:

﴿فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ﴾[11]

"پھر ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور وہ غم نہ کرے۔" یہاں یہ لفظ اطمینانِ قلب، مسرت اور خوشی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

اسی طرح سورۃ الفرقان میں اہلِ ایمان کی دعا یوں نقل ہوئی ہے:

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ﴾[12]

"اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔"

ان قرآنی استعمالات سے واضح ہوتا ہے کہ مادہ "ق ر ر" صرف ظاہری ٹھہراؤ کے لیے نہیں بلکہ باطنی تسکین، رضا، اعتماد اور مسرت کے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہی معانی "تقریر" کے لغوی مفہوم کی وسعت کو ظاہر کرتے ہیں، اور اسی بنا پر "حدیثِ تقریری" میں نبی کریم ﷺ کا سکوت یا تبسم محض عدمِ اعتراض نہیں بلکہ تسلیم و تائید کے معنی رکھتا ہے۔

سنتِ تقریریہ کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں سنتِ تقریریہ سے مراد یہ ہے کہ کسی صحابی کا کوئی قول یا فعل نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں صادر ہو، یا آپ ﷺ کے علم میں آئے، اور آپ ﷺ اس پر انکار نہ فرمائیں، خواہ یہ عدمِ انکار محض سکوت کی صورت میں ہو یا اس کے ساتھ تحسین، تبسم یا کسی اور ایسی علامت کا اظہار ہو جو رضا اور قبولیت پر دلالت کرتی ہو۔ اصولیین کے نزدیک اس کی بنیاد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی منکر پر خاموش نہیں رہ سکتے، لہٰذا آپ ﷺ کا کسی امر کو برقرار رکھنا اس کے جواز کی دلیل ہے۔

بحثِ دوم: التقریر بالتبسم: مفہوم، امتیازات اور شناخت کے اصول

مفہوم اور تعارف

سنتِ تقریریہ کی مختلف صورتوں میں سے ایک اہم صورت "التقریر بالتبسم" ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی قول، فعل یا اجتہاد سے آگاہ ہونے کے بعد اس پر خاموش رہنے کے بجائے تبسم فرمائیں اور اس کے ساتھ کوئی انکار یا ممانعت بھی صادر نہ ہو۔ اس صورت میں آپ ﷺ کا تبسم اس امر کی علامت سمجھا جاتا ہے کہ مذکورہ قول یا فعل آپ ﷺ کے نزدیک قابلِ قبول تھا، کیونکہ منصبِ نبوت اس بات کا متقاضی تھا کہ اگر کوئی امر شرعاً ممنوع یا قابلِ انکار ہوتا تو آپ ﷺ اس کی وضاحت فرماتے اور اس پر نکیر کرتے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ کسی عمل کے بعد تبسم فرماتے ہیں تو یہ تبسم محض ایک طبعی یا عادی مسکراہٹ نہیں رہتا بلکہ بعض مواقع پر شرعی دلالت اختیار کر لیتا ہے۔

---

[11] سورۃ القصص: 13-

[12] سورۃ الفرقان: 74-

CC BY

التقریر بالتبسم درحقیقت سنتِ تقریریہ کی ان صورتوں میں سے ہے جن میں عدمِ انکار کے ساتھ رضا اور استحسان کی ایک اضافی علامت بھی پائی جاتی ہے۔ یہاں صرف سکوت نہیں بلکہ تبسم کے ذریعے کسی قول یا فعل کے متعلق مثبت تاثر بھی ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ جب نبی کریم ﷺ کسی صحابی کے اجتہاد، عمل یا گفتگو کے بعد تبسم فرماتے ہیں اور اس پر کوئی نکیر نہیں کرتے تو یہ تبسم اس عمل کے جواز، قبولیت یا استحسان پر دلالت کرتا ہے۔ اسی بنا پر شارحینِ حدیث اور فقہاء نے ایسی روایات سے متعدد فقہی اور اصولی مسائل میں استدلال کیا ہے۔

تبسم اور ضحک کا فرق

روایات میں نبی کریم ﷺ کے ردِ عمل کے لیے کبھی "تبسم" اور کبھی "ضحک" کا لفظ آیا ہے۔ اہلِ لغت اور شارحینِ حدیث کے نزدیک تبسم ضحک کا ابتدائی درجہ ہے، جس میں چہرے پر مسکراہٹ ظاہر ہوتی ہے مگر آواز نہیں ہوتی؛ اور ضحک اس سے بڑھ کر چہرے کا کھل اٹھنا ہے جس میں دانت ظاہر ہو جائیں۔ نبی کریم ﷺ کا عام معمول تبسم ہی تھا، اور جن روایات میں "ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ" آیا ہے وہاں بھی قہقہہ مراد نہیں بلکہ مسرت کا غیر معمولی اظہار مراد ہے۔[13] چونکہ تقریری دلالت کے اعتبار سے دونوں کا حکم ایک ہے، یعنی دونوں عدمِ انکار کے ساتھ رضا کا اظہار ہیں، اس لیے اس مقالے میں "التقریر بالتبسم" کا عنوان دونوں صورتوں کو شامل ہے، اور ضحک والی روایات کو بھی اسی کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔

التقریر بالتبسم اور التقریر بالسکوت میں فرق

سنتِ تقریریہ کی مختلف صورتوں میں التقریر بالسکوت اور التقریر بالتبسم کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ دونوں صورتوں میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی قول، فعل یا اجتہاد سے آگاہ ہونے کے باوجود اس پر نکیر نہیں فرماتے، جس سے اس کے جواز یا عدمِ ممانعت کا پتہ چلتا ہے۔ تاہم دلالت اور اظہارِ رضا کے اعتبار سے ان دونوں کے مابین ایک لطیف فرق پایا جاتا ہے۔

التقریر بالسکوت میں اصل دلالت نبی کریم ﷺ کے ترکِ انکار سے حاصل ہوتی ہے۔ یعنی کسی فعل یا قول کے وقوع کے بعد آپ ﷺ اس سے آگاہ ہوں، انکار کا موقع بھی موجود ہو، لیکن آپ ﷺ خاموش رہیں اور کوئی نکیر نہ فرمائیں، تو یہ سکوت اس عمل کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ اس صورت میں شرعی حکم کا استنباط بنیادی طور پر عدمِ انکار سے کیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس التقریر بالتبسم میں عدمِ انکار کے ساتھ ایک مثبت علامت بھی پائی جاتی ہے، کیونکہ تبسم عرفاً خوشنودی، قبولیت اور استحسان کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ جب نبی کریم ﷺ کسی قول یا فعل کے بعد تبسم فرماتے ہیں اور اس کے ساتھ کوئی ممانعت یا تنبیہ بھی صادر نہیں فرماتے تو اس سے صرف جواز ہی نہیں بلکہ بسا اوقات رضا اور استحسان کا مفہوم بھی اخذ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے التقریر بالتبسم کو التقریر بالسکوت کے مقابلے میں دلالت کے اعتبار سے زیادہ واضح کہا جا سکتا ہے، کیونکہ یہاں ترکِ انکار کے ساتھ اظہارِ سرور بھی جمع ہو جاتا ہے۔

[13] ابن حجر العسقلاني، أحمد بن علي، فتح الباري شرح صحيح البخاري، (بيروت: دار المعرفة، 1379ھ)، كتاب الأدب، باب التبسم والضحك.

CC BY

البتہ یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ ہر تبسم لازماً تقریری دلالت کا حامل نہیں ہوتا، کیونکہ بعض مواقع پر نبی کریم ﷺ کا تبسم تعجب، خوشی، محبت یا کسی اور سبب سے بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا کسی روایت کو التقریر بالتبسم کی مثال قرار دینے کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ تبسم کسی قول، فعل یا اجتہاد کے تعاقب میں وارد ہوا ہو اور اس کے ساتھ کوئی انکار یا تردید موجود نہ ہو۔ جب یہ قرائن جمع ہو جائیں تو تبسم محض ایک بشری کیفیت نہیں رہتا بلکہ سنتِ تقریریہ کی ایک معتبر صورت بن جاتا ہے۔ اسی بنیاد پر وہ روایات خصوصی اہمیت رکھتی ہیں جن میں "فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ"، "فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ" یا "حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ" جیسے الفاظ کسی قول یا فعل کے بعد وارد ہوئے ہوں۔

التقریر بالتبسم کی شناخت کے اصول

التقریر بالتبسم کی روایات سے استدلال کرتے وقت ضروری ہے کہ ان ضوابط اور قرائن کو ملحوظ رکھا جائے جن کی موجودگی میں نبی کریم ﷺ کا تبسم شرعی دلالت کا حامل قرار پاتا ہے، کیونکہ ہر تبسم ازخود تقریر پر دلالت نہیں کرتا۔ کسی روایت کو التقریر بالتبسم کی مثال قرار دینے کے لیے درج ذیل اصولوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ علمِ نبوی: نبی کریم ﷺ کو اس قول یا فعل کا علم حاصل ہو جس پر تبسم صادر ہوا ہے۔ اگر آپ ﷺ کو کسی عمل کا علم ہی نہ ہو تو تبسم کو اس عمل کی تقریر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اصولیین نے علمِ نبوی کو سنتِ تقریریہ کی تمام اقسام میں بنیادی شرط قرار دیا ہے۔

۲۔ تبسم کا فعل سے تعلق: تبسم کسی قول، فعل یا اجتہاد کے بعد واقع ہوا ہو اور اس کے ساتھ زمانی و معنوی تعلق پایا جائے۔ اگر تبسم کا سبب کوئی اور امر ہو تو اسے متعلقہ فعل یا قول کی تقریر نہیں کہا جا سکتا، اس لیے روایت کے سیاق و سباق کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

۳۔ عدمِ انکار: تبسم کے ساتھ یا اس کے بعد کوئی انکار، ممانعت یا تصحیح وارد نہ ہو۔ اگر نبی کریم ﷺ تبسم فرمانے کے بعد کسی بات کی تردید یا اصلاح فرما دیں تو تبسم کو تقریری دلالت پر محمول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس صورت میں اصل اعتبار بعد میں وارد ہونے والی تصریح کا ہو گا۔

۴۔ قرائنِ رضا: تبسم کے قرائن رضا، قبولیت یا استحسان پر دلالت کرتے ہوں۔ اگر روایت کے الفاظ یا سیاق اس بات کو ظاہر کریں کہ نبی کریم ﷺ کسی عمل یا اجتہاد سے خوش ہوئے یا اسے پسند فرمایا تو تبسم تقریری حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

۵۔ شرعی حکم سے تعلق: تبسم کسی ایسے امر کے تعاقب میں ہو جس کا تعلق کسی شرعی حکم سے ہو، کیونکہ سنتِ تقریریہ کا تعلق بنیادی طور پر ان اقوال و افعال سے ہے جن سے کسی شرعی حکم یا عملی جواز کا استنباط کیا جا سکتا ہو۔ لہٰذا محض ذاتی گفتگو یا معمول کی باتوں پر وارد ہونے والا تبسم ہر صورت میں تقریری دلالت کے زمرے میں داخل نہیں ہو گا، جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی شرعی پہلو وابستہ نہ ہو۔

ان اصولوں کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا تبسم بعض مواقع پر سنتِ تقریریہ کی ایک مستقل صورت بن جاتا ہے، اور ایسی روایات فقہی و اصولی استدلال میں اہم مقام رکھتی ہیں۔ چنانچہ آئندہ بحث میں ان احادیث کا جائزہ پیش کیا جائے گا جن میں نبی کریم ﷺ نے کسی قول، فعل یا اجتہاد پر تبسم فرما کر اس کی قبولیت، استحسان یا جواز کی طرف اشارہ فرمایا۔

CC BY

بحثِ سوم: التقریر بالتبسم کی احادیث: تحقیقی و استدلالی مطالعہ

1۔ جاہلیت کے واقعات کے تذکرے پر رسول اللہ ﷺ کا تبسم

عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، قَالَ: قُلْتُ لِجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ: أَكُنْتَ تُجَالِسُ رَسُولَ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ كَثِيرًا، كَانَ لَا يَقُومُ مِنْ مُصَلَّاهُ الَّذِي يُصَلِّي فِيهِ الصُّبْحَ أَوِ الْغَدَاةَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، فَإِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ قَامَ، وَكَانُوا يَتَحَدَّثُونَ فَيَأْخُذُونَ فِي أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ، فَيَضْحَكُونَ وَيَتَبَسَّمُ.[14]

سماک بن حربؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن سمرہؓ سے پوچھا: کیا آپ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں، بہت زیادہ۔ رسول اللہ ﷺ اس جگہ سے جہاں آپ فجر کی نماز ادا فرماتے تھے، سورج طلوع ہونے تک نہیں اٹھتے تھے، پھر جب سورج طلوع ہو جاتا تو آپ اٹھتے۔ اس دوران صحابۂ کرامؓ آپس میں گفتگو کرتے اور زمانۂ جاہلیت کے بعض واقعات کا تذکرہ چھیڑ دیتے، جس پر وہ ہنستے تھے اور رسول اللہ ﷺ تبسم فرماتے تھے۔

استدلال اور تقریری پہلو:

یہ حدیث التقریر بالتبسم کی ایک واضح مثال ہے، کیونکہ اس میں صحابۂ کرامؓ کا باہمی تذکرہ اور زمانۂ جاہلیت کے واقعات کا بیان موجود ہے، جس پر وہ خود بھی ہنس رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اس گفتگو کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اس پر تبسم فرمایا، جو رضا اور عدمِ نکارت کی علامت ہے۔ جب نبی کریم ﷺ کسی فعل یا قول کو سن کر اس پر انکار نہ فرمائیں بلکہ تبسم کا اظہار کریں تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ وہ فعل فی الجملہ جائز ہے۔ لہٰذا اس روایت سے یہ اصول مستفاد ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز کے بعد مباح نوعیت کی گفتگو اور ماضی کے واقعات کا تذکرہ جائز ہے، اور اس پر آپ ﷺ کا تبسم تقریری دلالت رکھتا ہے۔

اس حدیث کو التقریر بالتبسم میں شامل کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس میں تین اہم عناصر ایک ساتھ موجود ہیں: (الف) صحابۂ کرامؓ کا فعل، یعنی آپس میں گفتگو اور جاہلی واقعات کا تذکرہ؛ (ب) اس پر ان کا طبعی ردِ عمل، یعنی ہنسی؛ اور (ج) رسول اللہ ﷺ کا تبسم فرمانا۔ یہ ترتیب اس بات کی طرف واضح اشارہ کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے اس گفتگو کو ناپسند نہیں فرمایا بلکہ اسے خوش دلی کے ساتھ قبول فرمایا۔ مزید یہ کہ یہاں تبسم محض اتفاقی مسکراہٹ نہیں بلکہ ایک اجتماعی ماحول میں صحابہ کے عمل کے ساتھ ہم آہنگی کا اظہار ہے، اور روایت کا اسلوب ("كَانَ ... وَكَانُوا") اس عمل کے تکرار پر دلالت کرتا ہے، جو تقریر کے مفہوم کو مزید تقویت دیتا ہے۔

2۔ بچیوں کے کھلونوں پر نبی کریم ﷺ کا تبسم

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوكَ أَوْ خَيْبَرَ، وَفِي سَهْوَتِهَا سِتْرٌ، فَهَبَّتْ رِيحٌ فَكَشَفَتْ نَاحِيَةَ السِّتْرِ عَنْ بَنَاتٍ لِعَائِشَةَ لُعَبٍ، فَقَالَ: «مَا هَذَا يَا عَائِشَةُ؟» قَالَتْ: بَنَاتِي، وَرَأَى بَيْنَهُنَّ فَرَسًا لَهُ جَنَاحَانِ مِنْ رِقَاعٍ، فَقَالَ: «مَا هَذَا الَّذِي أَرَى وَسْطَهُنَّ؟» قَالَتْ: فَرَسٌ، قَالَ: «وَمَا هَذَا الَّذِي عَلَيْهِ؟» قَالَتْ: جَنَاحَانِ، قَالَ: «فَرَسٌ لَهُ جَنَاحَانِ؟» قَالَتْ: أَمَا سَمِعْتَ أَنَّ لِسُلَيْمَانَ خَيْلًا لَهَا أَجْنِحَةٌ؟ قَالَتْ: فَضَحِكَ حَتَّى رَأَيْتُ نَوَاجِذَهُ.[15]

---

[14] مسلم بن الحجاج القشيري، صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل الجلوس في مصلاه بعد الصبح وفضل المساجد، رقم الحديث: 670.

[15] أبو داود، سليمان بن الأشعث السجستاني، سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في اللعب بالبنات، رقم الحديث: 4932.

CC BY

ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک یا خیبر سے واپس تشریف لائے تو ان کے طاقچے کے آگے پردہ پڑا ہوا تھا۔ ہوا چلی تو اس نے پردے کی ایک جانب اٹھادی اور سیدہ عائشہؓ کی گڑیاں سامنے آ گئیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "عائشہ! یہ کیا ہے؟" انہوں نے کہا: یہ میری گڑیاں ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے درمیان کپڑے کا ایک گھوڑا بھی دیکھا جس کے دو پر تھے، تو پوچھا: "ان کے درمیان یہ کیا دیکھ رہا ہوں؟" انہوں نے کہا: یہ گھوڑا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "اور اس کے اوپر کیا ہے؟" انہوں نے کہا: اس کے دو پر ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "گھوڑا اور اس کے دو پر؟" انہوں نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا کہ سیدنا سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر تھے؟ کہتی ہیں: اس پر رسول اللہ ﷺ اس قدر ہنسے کہ میں نے آپ ﷺ کی داڑھیں دیکھ لیں۔

استدلال اور تقریری پہلو:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بچیوں کے لیے گڑیوں اور کھلونوں سے کھیلنا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے کھلونوں کو دیکھا، ان کے متعلق دریافت فرمایا، لیکن ان کے رکھنے یا ان سے کھیلنے پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، بلکہ ان کے جواب پر ہنس دیے۔ آپ ﷺ کا یہ عدمِ انکار اور ضحک اس عمل کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس باب کی روایات کے تحت ذکر کیا ہے کہ اس حدیث سے بچیوں کے کھیلنے کے لیے گڑیاں اور کھلونے رکھنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے، اور اسے تصاویر کی ممانعت کے عموم سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، اور قاضی عیاضؒ نے اسی کو جمہور کا قول قرار دیا ہے۔[16]

البتہ بعض شارحین نے اس حدیث کی توجیہ میں دوسرا پہلو بھی ذکر کیا ہے۔ ملا علی قاریؒ، ابن الملکؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

قَالَ ابْنُ الْمَلَكِ: قِيلَ عَدَمُ إِنْكَارِهِ ﷺ عَلَى لَعِبِهَا بِالصُّورَةِ وَإِبْقَائِهَا فِي بَيْتِهَا دَالٌّ عَلَى أَنَّ ذَلِكَ قَبْلَ التَّحْرِيمِ إِيَّاهَا، أَوْ يُقَالُ: لُعَبُ الصِّغَارِ مَظِنَّةُ الِاسْتِخْفَافِ، اهـ. وَالثَّانِي غَيْرُ صَحِيحٍ؛ لِأَنَّهُ ﷺ تَزَوَّجَهَا بِمَكَّةَ فِي عَشْرٍ مِنْ شَوَّالَ سَنَةَ عَشْرٍ مِنَ النُّبُوَّةِ قَبْلَ الْهِجْرَةِ بِثَلَاثٍ وَلَهَا سِتُّ سِنِينَ، وَالْغَزْوَتَانِ الْمَذْكُورَتَانِ إِحْدَاهُمَا سَنَةَ ثَمَانٍ وَالْأُخْرَى سَنَةَ تِسْعٍ مِنَ الْهِجْرَةِ، فَبِالْيَقِينِ تَجَاوَزَتْ عَائِشَةُ حِينَئِذٍ حَدَّ الْبُلُوغِ.[17]

ابن الملکؒ فرماتے ہیں: "کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حضرت عائشہؓ کے تصویری کھلونوں سے کھیلنے پر انکار نہ کرنا اور ان کھلونوں کو ان کے گھر میں برقرار رہنے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ تصاویر کی حرمت سے پہلے کا تھا، یا یہ کہا جائے کہ چھوٹوں کے کھلونے (تعظیم کے لیے نہیں بلکہ) بے توقیری کے محل میں ہوتے ہیں۔" ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: "لیکن دوسری بات درست نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے مکہ مکرمہ میں ہجرت سے تین سال قبل نکاح فرمایا جب ان کی عمر چھ سال تھی، اور مذکورہ دونوں غزوات میں سے ایک سن آٹھ ہجری اور دوسرا سن نو ہجری میں پیش آیا، لہٰذا یقینی طور پر اس وقت حضرت عائشہؓ حدِ بلوغ سے تجاوز کر چکی تھیں۔"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا علی قاریؒ نے ابن الملکؒ کی ذکر کردہ دو توجیہات میں سے دوسری توجیہ (کہ یہ چھوٹی بچی کا کھیل تھا) کو اس بنا پر درست قرار نہیں دیا کہ اس وقت حضرت عائشہؓ بالغ ہو چکی تھیں، اور یوں ان کا میلان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ تحریمِ تصاویر سے پہلے کا ہو سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جمہور اہلِ

---

[16] ابن حجر العسقلاني، فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب الانبساط إلى الناس، تحت الحديث: 6130.

[17] الملا علي القاري، علي بن سلطان محمد، مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، (بيروت: دار الفكر، 1422ھ/2002م)، كتاب النكاح، باب عشرة النساء، تحت الحديث: 3265، 5/ 2129.

علم نے اس روایت سے بچیوں کے کھلونوں کے جواز پر استدلال کیا ہے اور اسے عمومِ نہی سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اس اختلاف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تقریرِ نبوی کا وقوع تو متفق علیہ ہے، البتہ اس سے مستنبط حکم کے دوام یا نسخ میں شارحین کی آراء مختلف ہیں؛ اور یہ اس اصول کی ایک عملی مثال ہے کہ تقریر سے حکم اخذ کرتے وقت دیگر نصوص اور قرائن کو بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

اس حدیث کو التقریر بالتبسم میں اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ اس میں نبی کریم ﷺ کے سامنے حضرت عائشہؓ کا ایک ایسا عمل اور اس سے متعلق گفتگو موجود ہے جس پر آپ ﷺ نے کسی قسم کی ممانعت یا نکیر نہیں فرمائی، بلکہ اس کو برقرار رکھتے ہوئے ضحک کا اظہار فرمایا۔ لہٰذا اس روایت میں صرف عدمِ انکار ہی نہیں بلکہ تبسم و ضحک کی صورت میں اظہارِ انشراح بھی موجود ہے، جس کی وجہ سے یہ روایت محض سکوتی تقریر نہیں بلکہ تقریر بالتبسم کے دائرے میں داخل ہے۔ مزید یہ کہ یہاں ضحک ایک اتفاقی کیفیت نہیں بلکہ سوال و جواب اور واقعے کی مکمل سماعت کے بعد ظاہر ہوا ہے، جو اس بات کو مؤکد کرتا ہے کہ یہ ردِ عمل رضامندی اور قبولیت کے معنی میں ہے۔

3۔ تنازعِ نسب میں حضرت علیؓ کا قرعہ کے ذریعے فیصلہ اور تقریرِ نبوی ﷺ

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، قَالَ: أُتِيَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِثَلَاثَةٍ وَهُوَ بِالْيَمَنِ وَقَعُوا عَلَى امْرَأَةٍ فِي طُهْرٍ وَاحِدٍ، فَسَأَلَ اثْنَيْنِ: أَتُقِرَّانِ لِهَذَا بِالْوَلَدِ؟ قَالَا: لَا، حَتَّى سَأَلَهُمْ جَمِيعًا، فَجَعَلَ كُلَّمَا سَأَلَ اثْنَيْنِ قَالَا: لَا، فَأَقْرَعَ بَيْنَهُمْ، فَأَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالَّذِي صَارَتْ عَلَيْهِ الْقُرْعَةُ، وَجَعَلَ عَلَيْهِ ثُلُثَيِ الدِّيَةِ، قَالَ: فَذُكِرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ أَضْرَاسُهُ أَوْ نَوَاجِذُهُ.[18]

سیدنا زید بن ارقمؓ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علیؓ جب یمن میں تھے تو ان کے پاس تین آدمیوں کا معاملہ لایا گیا جنہوں نے ایک ہی طہر میں ایک عورت سے مقاربت کی تھی۔ انہوں نے دو سے پوچھا: کیا تم اس (تیسرے) کے لیے بچے کا اقرار کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے سب سے پوچھا، اور جب بھی دو سے پوچھتے تو وہ نفی میں جواب دیتے۔ چنانچہ انہوں نے ان کے درمیان قرعہ ڈالا اور بچہ اسی کے ساتھ ملا دیا جس کے نام قرعہ نکلا، اور اس پر دیت کے دو تہائی (بقیہ دونوں کے لیے) لازم کر دیے۔ جب یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے سامنے ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ ہنسے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی داڑھیں یا کچلیاں ظاہر ہو گئیں۔

استدلال اور تقریری پہلو:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے جب حضرت علیؓ کا ایک اجتہادی فیصلہ بیان کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس پر کوئی نکیر یا اعتراض نہیں فرمایا بلکہ ہنس کر اپنی رضا کا اظہار فرمایا۔ حضرت علیؓ نے ایک ایسے پیچیدہ تنازع میں، جس میں تین افراد ایک بچے کی نسبت کے دعوے دار تھے اور باہمی رضامندی سے کوئی حل نکلنا ممکن نہ تھا، قرعہ اندازی کے ذریعے فیصلہ کیا۔ جب یہ فیصلہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچا تو آپ ﷺ نے نہ صرف اس فیصلے کو برقرار رکھا بلکہ "فَضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ أَضْرَاسُهُ أَوْ نَوَاجِذُهُ" کے مطابق مسرت کا اظہار بھی فرمایا۔ اس اعتبار سے یہ روایت کم از کم حضرت علیؓ کے اجتہاد پر نبی کریم ﷺ کی رضا اور عدمِ نکیر کو ثابت کرتی ہے، جو تقریری سنت کی ایک واضح مثال ہے۔

البتہ فقہاء نے اس فیصلے کے دائرۂ اطلاق اور اس سے مستنبط حکم میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، امام شوکانیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

---

[18] سنن أبي داود، كتاب الطلاق، باب من قال بالقرعة إذا تنازعوا في الولد، رقم الحديث: 2270.

CC BY

قَالَ الشَّوْكَانِيُّ: وَمِمَّنْ قَالَ بِظَاهِرِ حَدِيثِ الْبَابِ إِسْحَاقُ بْنُ رَاهَوَيْهِ وَقَالَ: هَذِهِ السُّنَّةُ فِي دَعْوَى الْوَلَدِ، حَكَى ذَلِكَ عَنْهُ الْخَطَّابِيُّ، وَقَالَ: إِنَّهُ كَانَ الشَّافِعِيُّ يَقُولُ بِهِ فِي الْقَدِيمِ، وَقِيلَ لِأَحْمَدَ فِي حَدِيثِ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ هَذَا، فَقَالَ: حَدِيثُ الْقَافَةِ أَحَبُّ إِلَيَّ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ حَدِيثَ الْقُرْعَةِ مَنْسُوخٌ. وَقَالَ الْمَقْبَلِيُّ فِي "الْأَبْحَاثِ": إِنَّ حَدِيثَ الْإِلْحَاقِ بِالْقُرْعَةِ إِنَّمَا يَكُونُ بَعْدَ انْسِدَادِ الطُّرُقِ الشَّرْعِيَّةِ.[19]

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں: "جن ائمہ نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ان میں امام اسحاق بن راہویہؒ بھی ہیں، انہوں نے کہا کہ دعوائے نسب میں یہی سنت ہے۔ خطابیؒ نے ان سے یہ قول نقل کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ امام شافعیؒ کا قدیم قول بھی یہی تھا۔ امام احمدؒ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے نزدیک قیافہ شناس والی حدیث زیادہ پسندیدہ ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ قرعہ والی حدیث منسوخ ہے۔ اور مقبلیؒ نے "الأبحاث" میں کہا کہ نسب کو قرعہ کے ذریعے ثابت کرنا اسی وقت ہو گا جب تمام شرعی ذرائع مسدود ہو جائیں۔"

اس مسئلے میں احناف نے قرعہ کے ذریعے نسب ثابت کرنے کو قبول نہیں کیا۔ چنانچہ صاحبِ بذل المجہود لکھتے ہیں:

وَمِنَ الْمُخَالِفِينَ فِي اعْتِبَارِ الْقُرْعَةِ: الْحَنَفِيَّةُ، وَكَذَلِكَ الْهَادَوِيَّةُ، وَقَالُوا: إِذَا وَطِئَ شُرَكَاءُ الْأَمَةِ الْمُشْتَرَكَةِ فِي طُهْرٍ وَاحِدٍ، وَجَاءَتْ بِوَلَدٍ، وَادَّعَوْهُ جَمِيعًا، وَلَا مُرَجِّحَ لِلْإِلْحَاقِ بِأَحَدِهِمْ، كَانَ الْوَلَدُ ابْنًا لَهُمْ جَمِيعًا، يَرِثُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ مِيرَاثَ ابْنٍ كَامِلٍ، وَمَجْمُوعُهُمْ أَبٌ يَرِثُونَهُ مِيرَاثَ أَبٍ وَاحِدٍ.[20]

"قرعہ کو معتبر ماننے کے مخالفین میں احناف اور ہادویہ بھی ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ اگر مشترکہ لونڈی سے ایک ہی طہر میں متعدد شرکاء نے وطی کی ہو، پھر اس سے بچہ پیدا ہو اور سب اس کی نسبت اپنی طرف کریں، جبکہ کسی ایک کو ترجیح دینے کی کوئی دلیل موجود نہ ہو، تو وہ بچہ ان سب کا بیٹا شمار ہو گا؛ وہ ہر ایک سے مکمل بیٹے کی میراث پائے گا، اور وہ سب مجموعی طور پر ایک باپ کے حکم میں ہوں گے جو اس سے ایک باپ کی میراث پائیں گے۔"

حاصلِ بحث یہ ہے کہ اس حدیث سے حضرت علیؓ کے اجتہادی فیصلے پر رسول اللہ ﷺ کی تقریر ثابت ہوتی ہے، جس کی بنا پر بعض فقہاء، مثلاً امام اسحاق بن راہویہؒ اور امام شافعیؒ کے قولِ قدیم کے مطابق، دعوائے نسب میں قرعہ کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔ تاہم احناف نے اس استدلال کو قبول نہیں کیا، بلکہ اپنے اصول اور حدیثِ "الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ"[21] کی روشنی میں قرعہ کو نسب کے اثبات کی مستقل دلیل نہیں مانا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اس روایت سے حضرت علیؓ کے اجتہاد پر رسول اللہ ﷺ کی تقریری تائید ثابت ہے، لیکن اس تقریر سے مستنبط فقہی حکم کے دائرۂ اطلاق میں ائمہ و فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

وجہِ تقریر:

اس روایت کو تقریر بالتبسم کی مثالوں میں اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک پیچیدہ تنازع کے حل کے لیے اپنے اجتہاد سے قرعہ اندازی کے ذریعے فیصلہ فرمایا، اور جب یہ فیصلہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس پر کوئی اعتراض، نکیر یا اصلاح نہیں فرمائی بلکہ ہنس کر اپنے اطمینان کا اظہار فرمایا۔ کسی

---

[19] السهارنفوري، خليل أحمد، بذل المجهود في حل سنن أبي داود، 8/ 326.

[20] السهارنفوري، بذل المجهود، 8/ 327.

[21] محمد بن إسماعيل البخاري، صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب تفسير المشبهات، رقم الحديث: 2053؛ صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب الولد للفراش وتوقي الشبهات، رقم الحديث: 1457.

CC BY

صحابی کا قول یا فعل نبی کریم ﷺ کے علم میں آنا اور پھر اس پر عدمِ نکیر پایا جانا تقریر کہلاتا ہے، اور اس روایت میں عدمِ نکیر کے ساتھ ضحک بھی مذکور ہے، جو اس تقریری پہلو کو مزید واضح کرتا ہے۔ بعض شارحینِ حدیث نے نبی کریم ﷺ کے اس ضحک کو حضرت علیؓ کی فطانت اور حسنِ تدبیر پر اظہارِ مسرت قرار دیا ہے، جبکہ بعض نے اسے فیصلے کی ندرت پر تعجب کے معنی میں لیا ہے۔ یہی دوسرا احتمال اس بات کی مثال ہے کہ تبسم کی تقریری دلالت قرائن پر موقوف ہوتی ہے، جیسا کہ شناخت کے اصولوں میں بیان ہوا۔

4۔ حالتِ احرام میں غلام کی تادیب اور نبی کریم ﷺ کا تبسم

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حُجَّاجًا، وَإِنَّ زِمَالَةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَزِمَالَةَ أَبِي بَكْرٍ وَاحِدَةٌ، فَنَزَلْنَا الْعَرْجَ، وَكَانَتْ زِمَالَتُنَا مَعَ غُلَامِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَتْ: فَجَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، وَجَلَسَتْ عَائِشَةُ إِلَى جَنْبِهِ، وَجَلَسَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى جَنْبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنَ الشِّقِّ الْآخَرِ، وَجَلَسْتُ إِلَى جَنْبِ أَبِي نَنْتَظِرُ غُلَامَهُ وَزِمَالَتَنَا مَتَى يَأْتِينَا، فَطَلَعَ الْغُلَامُ يَمْشِي مَا مَعَهُ بَعِيرُهُ، فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ: أَيْنَ بَعِيرُكَ؟ قَالَ: أَضَلَّنِي اللَّيْلَةَ، فَقَامَ إِلَيْهِ أَبُو بَكْرٍ يَضْرِبُهُ، وَيَقُولُ: بَعِيرٌ وَاحِدٌ أَضْلَلْتَ وَأَنْتَ رَجُلٌ! فَمَا يَزِيدُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى أَنْ يَتَبَسَّمَ، وَيَقُولُ: «انْظُرُوا إِلَى هَذَا الْمُحْرِمِ وَمَا يَصْنَعُ».[22]

سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کے لیے نکلے۔ رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابو بکرؓ کا سامان بردار اونٹ ایک ہی تھا۔ ہم عرج کے مقام پر ٹھہرے، اور ہمارا سامان سیدنا ابو بکرؓ کے غلام کے پاس تھا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوئے، سیدہ عائشہؓ آپ ﷺ کے پہلو میں بیٹھ گئیں، دوسری جانب سیدنا ابو بکرؓ بیٹھ گئے، اور میں اپنے والد کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ ہم غلام اور اپنے سامان کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ کب آتا ہے۔ پھر غلام نمودار ہوا تو وہ اونٹ کے بغیر اکیلا چلا آ رہا تھا۔ سیدنا ابو بکرؓ نے اس سے پوچھا: تمہارا اونٹ کہاں ہے؟ اس نے کہا: وہ رات مجھ سے گم ہو گیا۔ اس پر سیدنا ابو بکرؓ اٹھ کر اسے مارنے لگے اور فرمایا: ایک ہی اونٹ تھا اور تم نے مرد ہوتے ہوئے اسے بھی گم کر دیا! رسول اللہ ﷺ (یہ منظر دیکھ کر) صرف مسکراتے رہے اور فرماتے رہے: "اس محرم کو دیکھو، یہ کیا کر رہا ہے!"

استدلال اور تقریری پہلو:

اس روایت سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حالتِ احرام میں حضرت ابو بکرؓ کے اپنے غلام کی تادیب کے فعل کو دیکھا، مگر اس پر کوئی صریح ممانعت صادر نہیں فرمائی، بلکہ تبسم کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا۔ اسی بنا پر امام ابن خزیمہؒ نے اس پر "محرم کا اپنے غلام کو ادب سکھانے کی رخصت" کا باب قائم کیا ہے، اور امام ابو داودؒ نے اسے "المحرم يؤدب غلامه" کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔ اس سے فقہی طور پر یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ محرم کے لیے اپنے ماتحت کو خطا پر ادب سکھانا شرعاً جائز ہے اور یہ عمل احرام کے ممنوعات میں داخل نہیں، بشرطیکہ حدودِ شریعت سے تجاوز نہ ہو۔

البتہ اس روایت میں آپ ﷺ کا جملہ "انْظُرُوا إِلَى هَذَا الْمُحْرِمِ وَمَا يَصْنَعُ" بھی قابلِ توجہ ہے، جس میں ایک لطیف تعریض پائی جاتی ہے کہ حالتِ احرام میں نرمی اور تحمل اولیٰ ہے۔ اس اعتبار سے یہ تقریر جواز پر تو دلالت کرتی ہے، مگر افضلیت پر نہیں؛ اور یہ اس امر کی مثال ہے کہ تبسم کے ساتھ آنے والا کلام تقریر کے درجے کو

---

[22] سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب المحرم يؤدب غلامه، رقم الحديث: 1818 (وحسّنه الألباني)؛ وابن خزيمة، محمد بن إسحاق، صحيح ابن خزيمة، كتاب المناسك، باب الرخصة في أدب المحرم عبده إذا ضيع مال المولى، رقم الحديث: 2679.

CC BY

متعین کرتا ہے۔ سنن ابی داود کی اس روایت کو علامہ البانیؒ نے حسن قرار دیا ہے۔ اس میں تین عناصر جمع ہیں: صحابی کا فعل، نبی کریم ﷺ کا عدمِ انکار، اور تبسم کا اظہار؛ یہی مجموعہ اسے التقریر بالتبسم کے باب میں داخل کرتا ہے۔

5۔ عورت کے جنگ میں ہتھیار رکھنے پر تقریرِ نبوی ﷺ

عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ اتَّخَذَتْ يَوْمَ حُنَيْنٍ خِنْجَرًا، فَكَانَ مَعَهَا، فَرَآهَا أَبُو طَلْحَةَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَذِهِ أُمُّ سُلَيْمٍ مَعَهَا خِنْجَرٌ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَا هَذَا الْخِنْجَرُ؟» قَالَتْ: اتَّخَذْتُهُ إِنْ دَنَا مِنِّي أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ بَقَرْتُ بِهِ بَطْنَهُ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَضْحَكُ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، اقْتُلْ مَنْ بَعْدَنَا مِنَ الطُّلَقَاءِ انْهَزَمُوا بِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «يَا أُمَّ سُلَيْمٍ، إِنَّ اللَّهَ قَدْ كَفَى وَأَحْسَنَ».[23]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حنین کے دن حضرت ام سلیمؓ نے ایک خنجر (اپنے پاس) رکھ لیا جو ان کے ساتھ تھا۔ حضرت ابو طلحہؓ نے اسے دیکھا تو عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ ام سلیم ہیں، ان کے پاس خنجر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: "یہ خنجر کیسا ہے؟" انہوں نے کہا: میں نے یہ اس لیے رکھا ہے کہ اگر مشرکوں میں سے کوئی میرے قریب آیا تو میں اس سے اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے بعد (فتح مکہ کے موقع پر) آزاد کیے گئے لوگ جو آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے، انہیں قتل کروا دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ام سلیم! اللہ تعالیٰ نے کفایت فرمائی اور احسان فرمایا۔"

استدلال اور تقریری پہلو:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت عورت کے لیے اپنی جان اور عزت کی حفاظت کی غرض سے ہتھیار رکھنا جائز ہے۔ حضرت ام سلیمؓ نے غزوۂ حنین کے موقع پر اپنے پاس خنجر رکھا اور رسول اللہ ﷺ کے استفسار پر اس کی وجہ بھی بیان کر دی۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے اس عمل اور ارادے پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ ہنستے ہوئے اسے برقرار رکھا، جس سے اس عمل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اسی بنا پر صحیح مسلم میں اس حدیث پر "باب غزوة النساء مع الرجال" (عورتوں کا مردوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہونا) کا عنوان قائم کیا گیا ہے، جس سے اس روایت سے عورتوں کی غزوات میں شرکت پر استدلال واضح ہوتا ہے۔[24]

اس روایت کو تقریر بالتبسم کی مثالوں میں اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ حضرت ام سلیمؓ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے فعل اور ارادے کا اظہار کیا، لیکن آپ ﷺ نے اس پر ناراضی یا ممانعت کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ راوی نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے: "فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَضْحَكُ"۔ نبی کریم ﷺ کا یہ ضحک ان کے فعل پر رضا اور قبولیت کی علامت ہے، کیونکہ اگر یہ عمل ناجائز ہوتا تو آپ ﷺ اس کی وضاحت فرماتے۔ قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ اسی روایت میں جب حضرت ام سلیمؓ نے طلقاء کے قتل کی بات کی تو آپ ﷺ نے اسے برقرار نہیں رکھا بلکہ "إِنَّ اللَّهَ قَدْ كَفَى وَأَحْسَنَ" فرما کر اس رائے کو قبول نہیں فرمایا۔ ایک ہی واقعے میں ایک بات پر ضحک اور دوسری پر اصلاح، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کا ضحک بے محل نہیں بلکہ قبولیت کے معنی میں تھا۔

---

[23] صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة النساء مع الرجال، رقم الحديث: 1809.

[24] صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة النساء مع الرجال، رقم الحديث: 1809.

6۔یہودی عالم کے بیانِ عظمتِ الٰہی پر نبی کریم ﷺ کا ضحک

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ حَبْرٌ مِنَ الْأَحْبَارِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، إِنَّا نَجِدُ أَنَّ اللَّهَ يَجْعَلُ السَّمَوَاتِ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْأَرَضِينَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالشَّجَرَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْمَاءَ وَالثَّرَى عَلَى إِصْبَعٍ، وَسَائِرَ الْخَلَائِقِ عَلَى إِصْبَعٍ، فَيَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ، فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ تَصْدِيقًا لِقَوْلِ الْحَبْرِ، ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾.[25]

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ علمائے یہود میں سے ایک عالم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے محمد! ہم (اپنی کتاب میں) پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور تر مٹی کو ایک انگلی پر، اور باقی تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ لے گا، پھر فرمائے گا: میں ہی بادشاہ ہوں۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ اس عالم کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے ہنس دیے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "اور انہوں نے اللہ کی ویسی قدر نہ کی جیسی اس کی قدر کرنے کا حق ہے، اور قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہو گی۔"

استدلال اور تقریری پہلو:

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہودی عالم نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ اس کے بیان پر ہنس دیے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں، پھر اس مضمون کی تائید میں آیت "وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ" تلاوت فرمائی۔ صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَعَجُّبًا مِمَّا قَالَ الْحَبْرُ تَصْدِيقًا لَهُ"[26]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا ضحک محض تعجب کے لیے نہیں تھا بلکہ اس میں اس قول کے صحیح حصے کی تصدیق بھی شامل تھی۔ اسی بنا پر یہ روایت التقریر بالتبسم کی مثال شمار ہوتی ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے ایک قول کو ضحک کے ذریعے برقرار رکھا، اس پر نکیر نہیں فرمائی، اور قرآنی آیت تلاوت کر کے اس کی مزید تائید فرما دی۔

تاہم اس ضحک کی علت کے بارے میں محدثین کے درمیان اختلاف ہے، جسے حافظ ابن حجرؒ اور علامہ بدر الدین عینیؒ نے اپنی شروح میں نقل کیا ہے۔ امام خطابیؒ کا موقف یہ ہے:

وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ كَثِيرٌ مِنْ أَصْحَابِ عَبْدِ اللَّهِ مِنْ طَرِيقِ عُبَيْدَةَ، فَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ: تَصْدِيقًا لِقَوْلِ الْحَبْرِ ... وَإِنَّمَا ظَهَرَ مِنْهُ الضَّحِكُ الْمُخَيَّلُ لِلرِّضَا مَرَّةً، وَلِلتَّعَجُّبِ وَالْإِنْكَارِ أُخْرَى ... فَإِنَّ ضَحِكَهُ ﷺ إِنَّمَا كَانَ عَلَى مَعْنَى التَّعَجُّبِ وَالتَّكْذِيبِ لَهُ.[27]

اس حدیث کو حضرت عبد اللہؓ کے متعدد شاگردوں نے عبیدہ کے واسطے سے روایت کیا ہے، لیکن ان میں یہ الفاظ مذکور نہیں کہ آپ ﷺ نے حبر کی بات کی تصدیق فرمائی ... آپ ﷺ کا ضحک کبھی رضا کا احتمال رکھتا ہے اور کبھی تعجب اور انکار کا ... اور (خطابیؒ کے نزدیک) آپ ﷺ کا ضحک تعجب اور اس کی بات کی تردید کے معنی میں تھا۔

امام خطابیؒ کی اس توجیہ پر ابن التینؒ نے تنقید کی ہے، جسے حافظ ابن حجرؒ نے یوں نقل کیا ہے:

---

[25] صحيح البخاري، كتاب تفسير القرآن، باب قوله: ﴿وما قدروا الله حق قدره﴾، رقم الحديث: 4811.

[26] صحيح مسلم، كتاب صفة القيامة والجنة والنار، رقم الحديث: 2786.

[27] ابن حجر العسقلاني، فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿لما خلقت بيدي﴾، تحت الحديث: 7414؛ العيني، عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب التفسير، سورة الزمر، تحت الحديث: 4811.

CC BY

قَالَ ابْنُ التِّينِ: تَكَلَّفَ الْخَطَّابِيُّ فِي تَأْوِيلِ الْإِصْبَعِ، وَبَالَغَ حَتَّى جَعَلَ ضَحِكَهُ ﷺ تَعَجُّبًا وَإِنْكَارًا لِمَا قَالَ الْحَبْرُ، وَرَدَّ مَا وَقَعَ فِي الرِّوَايَةِ الْأُخْرَى: «فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَعَجُّبًا وَتَصْدِيقًا» بِأَنَّهُ عَلَى قَدْرِ مَا فَهِمَ الرَّاوِي.[28]

ابن التینؒ فرماتے ہیں کہ امام خطابیؒ نے "اِصبع" کی تاویل میں تکلف سے کام لیا ہے، اور اس میں اس قدر مبالغہ کیا کہ نبی کریم ﷺ کے ضحک کو حبر کی بات پر تعجب اور انکار قرار دے دیا، اور دوسری روایت کے الفاظ "آپ ﷺ تعجب اور تصدیق کے طور پر ہنسے" کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ راوی کا اپنا فہم ہے۔

پھر علامہ عینیؒ، امام کرمانیؒ کا قول نقل کرتے ہیں: "الْأُمَّةُ فِي مِثْلِهَا طَائِفَتَانِ: مُفَوِّضَةٌ وَمُؤَوِّلَةٌ"، یعنی اس قسم کی صفات کے بارے میں امت کے دو مسالک ہیں: مفوضہ، جو کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں، اور مؤولہ، جو مناسب تاویل اختیار کرتے ہیں۔ جبکہ امام نوویؒ صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَظَاهِرُ السِّيَاقِ أَنَّهُ ضَحِكَ تَصْدِيقًا لَهُ، بِدَلِيلِ قِرَاءَةِ الْآيَةِ الَّتِي تَدُلُّ عَلَى صِدْقِ مَا قَالَ الْحَبْرُ.[29]

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ سیاق کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ضحک حبر کی بات کی تصدیق کے لیے تھا، کیونکہ اس کے بعد آپ ﷺ نے وہ آیت تلاوت فرمائی جو اس کے بیان کی صحت پر دلالت کرتی ہے۔

جہاں تک یہودی عالم کی بیان کردہ صفت "اِصبع" کے مفہوم کا تعلق ہے تو اس میں بھی اہلِ علم کے اقوال مختلف ہیں۔ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ: (عَلَى إِصْبَعٍ) الْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ، وَقَالَ ابْنُ فُورَكَ: الْمُرَادُ بِهِ هُنَا إِصْبَعُ بَعْضِ مَخْلُوقَاتِهِ، وَهُوَ غَيْرُ مُمْتَنِعٍ ... وَقَالَ الْخَطَّابِيُّ: الْأَصْلُ فِي الْإِصْبَعِ وَنَحْوِهَا أَنْ لَا يُطْلَقَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ بِكِتَابٍ أَوْ خَبَرٍ مَقْطُوعٍ بِصِحَّتِهِ، فَإِنْ لَمْ يَكُونَا فَالتَّوَقُّفُ عَنِ الْإِطْلَاقِ وَاجِبٌ، وَلَيْسَ مَعْنَى الْيَدِ فِي الصِّفَاتِ بِمَعْنَى الْجَارِحَةِ حَتَّى يُتَوَهَّمَ مِنْ ثُبُوتِهَا ثُبُوتُ الْإِصْبَعِ.[30]

حدیث میں مذکور "انگلی" سے بعض اہلِ علم کے نزدیک قدرت مراد ہے۔ ابن فورکؒ کہتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کی انگلی مراد ہو سکتی ہے، اور اس میں کوئی استحالہ نہیں... امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے "انگلی" یا اس جیسی کسی صفت کا اطلاق اسی وقت کیا جائے گا جب اس پر کتاب اللہ یا قطعی الصحت خبر سے دلیل قائم ہو، ورنہ اس کے اطلاق سے توقف لازم ہے؛ اور صفات میں وارد "ید" سے جسمانی عضو مراد نہیں کہ اس کے ثبوت سے انگلی کے ثبوت کا وہم کیا جائے۔

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ ایسی صفات کو جسمانی اعضاء کے ظاہری معنی پر محمول نہیں کیا جائے گا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ان پر ایمان رکھا جائے گا، اور جہاں اہلِ علم نے ضرورت سمجھی وہاں قدرت یا ملک جیسی مناسب تاویل اختیار کی ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی مشابہت سے منزہ رکھا جائے۔

وجہِ تقریر:

اس روایت کو التقریر بالتبسم کی مثالوں میں اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ اس میں نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کے بیان پر محض سکوت اختیار نہیں فرمایا بلکہ ضحک کے ذریعے اس کے صحیح مفہوم کی تائید فرمائی۔ صحیح بخاری میں "تَصْدِيقًا لِقَوْلِ الْحَبْرِ" اور صحیح مسلم میں "تَعَجُّبًا مِمَّا قَالَ الْحَبْرُ تَصْدِيقًا لَهُ" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، اور اس کے فوراً بعد آپ ﷺ نے آیت ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ تلاوت فرمائی، جو اس تقریر کی عملی تائید ہے۔ لہٰذا اس روایت میں تقریر محض سکوت سے نہیں بلکہ ضحک

---

[28] ابن حجر العسقلاني، فتح الباري، كتاب التوحيد، تحت الحديث: 7414.

[29] النووي، يحيى بن شرف، المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، كتاب صفة القيامة والجنة والنار، تحت الحديث: 2786.

[30] العيني، عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب التفسير، سورة الزمر، باب قوله: ﴿وما قدروا الله حق قدره﴾، تحت الحديث: 4811.

اور قرآنی استشہاد کے ذریعے ظاہر ہوئی ہے۔ امام خطابیؒ کی مخالف رائے بھی اس اصول کی تائید کرتی ہے کہ تبسم کی دلالت قرائن پر موقوف ہوتی ہے، اور یہاں تلاوتِ آیت کا قرینہ تصدیق کے پہلو کو راجح کرتا ہے۔

7۔ شدید سردی میں تیمم کرکے نماز پڑھانے پر نبی کریم ﷺ کا ضحک

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: احْتَلَمْتُ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ فِي غَزْوَةِ ذَاتِ السُّلَاسِلِ، فَأَشْفَقْتُ إِنِ اغْتَسَلْتُ أَنْ أَهْلِكَ، فَتَيَمَّمْتُ ثُمَّ صَلَّيْتُ بِأَصْحَابِي الصُّبْحَ، فَذَكَرُوا ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: «يَا عَمْرُو، صَلَّيْتَ بِأَصْحَابِكَ وَأَنْتَ جُنُبٌ؟» فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي مَنَعَنِي مِنَ الِاغْتِسَالِ، وَقُلْتُ: إِنِّي سَمِعْتُ اللَّهَ يَقُولُ: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾[31]، فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا.[32]

حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ غزوۂ ذات السلاسل کی ایک ٹھنڈی رات میں مجھے احتلام ہو گیا اور مجھے ڈر ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو ہلاک ہو جاؤں گا، چنانچہ میں نے تیمم کرکے اپنے ساتھیوں کو فجر کی نماز پڑھادی۔ لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "عمرو! تم نے جنابت کی حالت میں اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی؟" میں نے آپ ﷺ کو غسل نہ کرنے کا سبب بتایا اور عرض کیا: میں نے اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے سنا ہے: "اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر بہت مہربان ہے۔" یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ہنس دیے اور کچھ نہیں فرمایا۔

استدلال اور تقریری پہلو:

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے شدید سردی کے باعث غسلِ جنابت کی صورت میں اپنی جان کو خطرہ محسوس کیا، چنانچہ انہوں نے آیتِ کریمہ ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ سے استدلال کرتے ہوئے تیمم کیا اور اسی حالت میں اپنے ساتھیوں کی امامت کی۔ جب یہ معاملہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے پہلے ان سے سبب دریافت فرمایا، اور جب انہوں نے اپنا اجتہاد بیان کیا تو آپ ﷺ ہنس دیے اور اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ آپ ﷺ کا یہ ضحک اور سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا اجتہاد درست تھا اور عذر کی حالت میں تیمم کرنا شرعاً جائز ہے۔ اسی لیے فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اگر پانی کے استعمال سے جان یا صحت کو حقیقی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو تیمم مشروع ہے، نیز یہ کہ تیمم کرنے والا وضو یا غسل کرنے والوں کی امامت کر سکتا ہے۔

یہ روایت التقریر بالتبسم کی نہایت واضح مثال ہے، کیونکہ اس میں شناخت کے پانچوں اصول جمع ہیں: آپ ﷺ کو واقعے کا علم ہوا، بلکہ آپ ﷺ نے خود استفسار فرمایا؛ ضحک براہِ راست صحابی کے اجتہاد کی وضاحت کے بعد ظاہر ہوا؛ اس کے بعد کوئی انکار یا اصلاح وارد نہیں ہوئی؛ روایت کے آخری الفاظ "فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا" رضا پر دلالت کرتے ہیں؛ اور معاملہ براہِ راست طہارت و نماز کے شرعی حکم سے متعلق ہے۔ ابتدائی استفسار کے بعد ضحک کا آنا یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے اجتہاد کی دلیل سن کر اسے قبول فرمایا، اور یہی تقریر بالتبسم کی حقیقت ہے۔

نتائجِ تحقیق

اس مطالعے سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

---

[31] سورة النساء: 29-

[32] سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب إذا خاف الجنب البرد أيتيمم، رقم الحديث: 334.

CC BY

۱۔ مادہ "ق ر ر" کے بنیادی لغوی مفاہیم ثبات، تمکن، سکون اور دلی مسرت ("قُرّۃ العین") ہیں۔ "تقریر" کا لغوی مفہوم کسی چیز کو ثابت کرنا اور انکار کیے بغیر اسے برقرار رہنے دینا ہے، اور یہی مفہوم سنتِ تقریریہ کی اصطلاح کی بنیاد ہے۔

۲۔ قرآنِ مجید میں اس مادے کا استعمال ظاہری ٹھہراؤ کے ساتھ ساتھ باطنی اطمینان اور مسرت کے لیے بھی ہوا ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تقریر محض خاموشی نہیں بلکہ رضا اور قبولیت کا اظہار بھی ہے۔

۳۔ "التقریر بالتبسم" سنتِ تقریریہ کی ایک مستقل صورت ہے، جس میں عدمِ انکار کے ساتھ تبسم یا ضحک کی صورت میں رضا کی ایک مثبت علامت بھی پائی جاتی ہے؛ اس اعتبار سے اس کی دلالت "التقریر بالسکوت" سے زیادہ واضح ہے۔

۴۔ ہر تبسم تقریری دلالت کا حامل نہیں۔ اس کے لیے پانچ شرائط ضروری ہیں: علمِ نبوی، تبسم کا متعلقہ فعل سے تعلق، بعد میں انکار یا اصلاح کا وارد نہ ہونا، رضا کے قرائن کا موجود ہونا، اور معاملے کا کسی شرعی حکم سے متعلق ہونا۔

۵۔ مطالعہ شدہ سات روایات سے مسجد میں مباح گفتگو، بچیوں کے کھلونوں، تنازعِ نسب میں قرعہ، حالتِ احرام میں تادیب، عورت کے دفاعی ہتھیار رکھنے، صفاتِ باری تعالیٰ کے بیان، اور عذر کی حالت میں تیمم جیسے متنوع ابواب میں احکام مستنبط کیے گئے ہیں۔

۶۔ تقریر بالتبسم سے اصل فعل کا جواز تو ثابت ہو جاتا ہے، لیکن اس سے مستنبط حکم کے دائرۂ اطلاق، دوام یا نسخ میں فقہاء کا اختلاف باقی رہ سکتا ہے، جیسا کہ قرعہ اور کھلونوں کی روایات میں واضح ہوا۔ لہٰذا تقریر سے حکم اخذ کرتے وقت دیگر نصوص اور قرائن کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

۷۔ تبسم کے ساتھ آنے والا کلام یا بعد کا طرزِ عمل تقریر کے درجے کو متعین کرتا ہے؛ چنانچہ کہیں یہ استحسان پر دلالت کرتا ہے (جیسے حضرت عمرو بن العاصؓ کا واقعہ) اور کہیں محض جواز پر (جیسے حالتِ احرام میں تادیب کا واقعہ)۔

سفارشات

◀ سنتِ تقریریہ کی دیگر صورتوں، مثلاً التقریر بالاستبشار (چہرۂ انور کا کھل اٹھنا) اور التقریر بالدعاء، پر بھی اسی منہج کے مطابق مستقل تحقیقات کی جائیں۔

◀ ذخیرۂ حدیث سے التقریر بالتبسم کی تمام روایات کا استقصاء کر کے ان کی تخریج اور فقہی ابواب کے مطابق درجہ بندی کی جائے۔

◀ اصولِ فقہ کی تدریس میں سنتِ تقریریہ کی بحث کو صرف سکوت تک محدود رکھنے کے بجائے اس کی مختلف صورتوں اور ان کے درجاتِ دلالت کو بھی نصاب کا حصہ بنایا جائے۔

CC BY

Bibliography

The Holy Qur'ān.

Abū Dāwūd, Sulaymān b. al-Ash'ath al-Sijistānī. Sunan Abī Dāwūd. Kitāb al-Ṭahārah, ḥadīth no. 334; Kitāb al-Manāsik, ḥadīth no. 1818; Kitāb al-Ṭalāq, ḥadīth no. 2270; Kitāb al-Adab, ḥadīth no. 4932.

al-'Aynī, Badr al-Dīn Maḥmūd b. Aḥmad. 'Umdat al-Qārī Sharḥ Ṣaḥīḥ al-Bukhārī. Beirut: Dār Iḥyā' al-Turāth al-'Arabī, n.d.

al-Bukhārī, Muḥammad b. Ismā'īl. Ṣaḥīḥ al-Bukhārī. Kitāb al-Buyū', ḥadīth no. 2053; Kitāb Tafsīr al-Qur'ān, ḥadīth no. 4811.

Dawood, Muhammad, and Usman Ahmad. "Nahy mein Ḥadīth-e Taqrīrī se Istidlāl: Mabāḥith wa Amthilah." Sareer-A-Khama 5, no. 1 (January–March 2026): 325–343.

al-Fayyūmī, Aḥmad b. Muḥammad. al-Miṣbāḥ al-Munīr fī Gharīb al-Sharḥ al-Kabīr. Beirut: al-Maktabah al-'Ilmiyyah, n.d.

al-Hammāmī, Mubārak b. Sālim b. 'Alī Khumays. Turūk al-Nabī ﷺ wa Dalālatuhā 'alā al-Aḥkām: Dirāsah Uṣūliyyah Taṭbīqiyyah 'alā Abwāb al-'Ibādāt. M.A. Thesis. Makkah: Jāmi'at Umm al-Qurā, 1430–1431 AH.

Ibn Fāris, Aḥmad. Mu'jam Maqāyīs al-Lughah. Ed. 'Abd al-Salām Muḥammad Hārūn. Beirut: Dār al-Fikr, 1399 AH/1979, vol. 5, p. 7.

Ibn Ḥajar al-'Asqalānī, Aḥmad b. 'Alī. Fatḥ al-Bārī Sharḥ Ṣaḥīḥ al-Bukhārī. Beirut: Dār al-Ma'rifah, 1379 AH.

Ibn Khuzaymah, Muḥammad b. Isḥāq. Ṣaḥīḥ Ibn Khuzaymah. Kitāb al-Manāsik, ḥadīth no. 2679.

Ibn Manẓūr, Muḥammad b. Mukarram. Lisān al-'Arab. Beirut: Dār Ṣādir, 3rd ed., 1414 AH.

al-Jawharī, Ismā'īl b. Ḥammād. al-Ṣiḥāḥ Tāj al-Lughah wa Ṣiḥāḥ al-'Arabiyyah. Ed. Aḥmad 'Abd al-Ghafūr 'Aṭṭār. 4th ed. Beirut: Dār al-'Ilm li al-Malāyīn, 1407 AH/1987.

al-Mullā 'Alī al-Qārī, 'Alī b. Sulṭān. Mirqāt al-Mafātīḥ Sharḥ Mishkāt al-Maṣābīḥ. Beirut: Dār al-Fikr, 1422 AH/2002, vol. 5, p. 2129.

Muslim b. al-Ḥajjāj al-Qushayrī. Ṣaḥīḥ Muslim. Kitāb al-Masājid, ḥadīth no. 670; Kitāb al-Raḍā', ḥadīth no. 1457; Kitāb al-Jihād wa al-Siyar, ḥadīth no. 1809; Kitāb Ṣifat al-Qiyāmah, ḥadīth no. 2786.

al-Nawawī, Yaḥyā b. Sharaf. al-Minhāj Sharḥ Ṣaḥīḥ Muslim b. al-Ḥajjāj. Beirut: Dār Iḥyā' al-Turāth al-'Arabī, 1392 AH.

al-Sahāranpūrī, Khalīl Aḥmad. Badhl al-Majhūd fī Ḥall Sunan Abī Dāwūd. Vol. 8, pp. 326–327.

al-Shawkānī, Muḥammad b. 'Alī. Irshād al-Fuḥūl ilā Taḥqīq al-Ḥaqq min 'Ilm al-Uṣūl. Ed. Aḥmad 'Azw 'Ināyah. Damascus: Dār al-Kitāb al-'Arabī, 1419 AH/1999.

al-Zamakhsharī, Maḥmūd b. 'Amr. Asās al-Balāghah. Ed. Muḥammad Bāsil 'Uyūn al-Sūd. Beirut: Dār al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1419 AH/1998.

al-Zarkashī, Badr al-Dīn Muḥammad b. 'Abd Allāh. al-Baḥr al-Muḥīṭ fī Uṣūl al-Fiqh. Kuwait: Dār al-Kutubī, 1414 AH/1994.